جناب خلیل اِنالجک
ترجمہ: جناب ثروت صولت

سلطان محمد فاتح اور استانبول کی تعمیرِ نو

یہ مضمون ممتاز ترک ادیب خلیل انالجک نے انقرہ کے رسالہ CULTURA TURCICA جلد نمبر ۴/۱۹۶۷ میں لکھا تھا۔ اس وقت وہ اس رسالہ کی مجلسِ ادارت کے ایک رکن تھے۔ یہ رسالہ ادارۂ تحقیقات ثقافت ترکی یعنی TÜRK KULTÜR ARASTIRMA ENSTITÜSÜ کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔ (مترجم)

استانبول فتح سے پہلے ہی ایک مردہ شہر بن چکا تھا۔ ۱۲۰۴ میں لاطینیوں کے تسلط کے بعد سے استانبول کے زوال کا ایک طویل دور شروع ہو گیا تھا۔ شہر کی صورت دیہات سے مشابہ ہوتی جا رہی تھی۔ انگور کے باغ اور کھیت شہر کے اندرونی حصوں میں دور دور تک پھیل گئے تھے۔ جب عثمانی ترکوں کا استانبول پر قبضہ ہوا تو اس کی آبادی زیادہ سے زیادہ پچاس ہزار بتائی جاتی ہے۔ اِسکولاریوس (SCHOLARIOS) جس کو محمد فاتح نے ۱۴۵۴ میں بشپ مقرر کیا تھا، اس وقت کے استانبول کے بارے میں کہتا ہے کہ "استانبول کھنڈروں کا شہر تھا جس کا بڑا حصہ ویران ہو چکا تھا اور افلاس عام تھا۔"

حملہ کے وقت سلطان محمد فاتح کی خواہش تھی کہ یہ شہر جو اس کا دارالحکومت بننے والا تھا، اس کو ایک تباہ و برباد شہر کی صورت میں نہ ملے۔ چنانچہ جب شہر پر آخری حملے کا فیصلہ کیا گیا تو اس نے بازنطینی شہنشاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر ہتھیار ڈال دیے جائیں تو شہر لوٹ، مار سے محفوظ رہے گا اور یہ کہ شہنشاہ کو معاوضہ میں موریا کی حکومت دے دی جائے گی۔

سلطان محمد فاتح کی یہ پیش کش رد کر دی گئی اور سلطان کو عام حملہ کرنے اور شہر کو لوٹنے کا حکم دینا پڑا۔ اسلامی قانون کے مطابق اگر دشمن ہتھیار ڈالنے کی تجویز رد کر دے اور جنگ جاری رکھے تو اس کو قید کیا جا سکتا ہے اور اس کی املاک پر مسلمان مجاہدین کا جائز حق ہوتا ہے۔ سلطان فاتح نے اگرچہ لوٹ، مار کی اجازت دے دی لیکن یہ شرط عائد کر دی کہ کوئی عمارت تباہ نہ کی جائے۔

شہر کی فتح کے بعد محمد فاتح نے لوقس نوتارس (LUKAS NOTARAS) کو طلب کیا جو رومی شہنشاہ کے بعد سب سے بااثر شخص تھا اور اس سے غصہ سے پوچھا کہ اس نے شہنشاہ کو شہر حوالے کرنے کے لیے آمادہ کیوں نہیں کیا کہ یہ شہر تباہی اور نقصان سے بچ سکتا اور لوگوں کی جانیں ضائع نہ ہوتیں۔ نوقس نے جواب دیا کہ وہ تو شہر حوالے کرنا چاہتے تھے لیکن ایسا کرنا ان کے بس میں نہ تھا۔ لاطینیوں نے ہتھیار ڈالنے کی سخت مخالفت کی تھی اور دفاع کا فرض وہی لوگ انجام دے رہے تھے۔

تین دن کی لوٹ مار کے بعد محمد فاتح نے امن و امان اور شہر کی بحالی کے لیے پوری تندہی سے کام شروع کر دیا۔ ہمعصر مؤرخ کریتوودلوس (KRITOVOULOS) جو سلطان محمد فاتح کے دربار سے تعلق رکھتا تھا، لکھتا ہے کہ "فتح کے بعد سلطان نے سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ شہر کو پھر سے اور پہلے سے بہتر طور پر آباد کرنے کا منصوبہ بنایا"۔

استانبول کی تسخیر سے قبل آبادی کا ایک حصہ شہر کو چھوڑ کر فرار ہوگیا تھا اور باقی لوگ قید میں تھے۔ شہر خالی اور ویران تھا۔ فاتح نے حکم دیا کہ یونانیوں کی بڑی تعداد کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔ قیدیوں کو فدیہ ادا کرنے کے قابل بنانے کے لیے فاتح نے ان کو تعمیری کاموں میں ملازم رکھا۔ سلطان شہر کا گشت کرتا رہتا تھا اور لوگوں کا دل جیتنے کے لیے غریبوں کی مالی امداد کرتا تھا۔ اس نے اعلان کرایا کہ جو لوگ ایک مقررہ وقت کے اندر واپس آجائیں گے، ان کی جائیدادیں واپس کردی جائیں گی۔ فاتح نے سلیووری (SILIVRI) اور غلطہ کے علاقوں سے لوگوں کو استانبول منتقل کیا اور اس نے اپنے پورے عہد حکومت میں یہ کوشش کی کہ استانبول ایک ایسا شہر بن جائے جو اس کی سلطنت کے شایان شان ہو۔

جون ۱۴۵۳ء میں فاتح نے سلیمان کو شہر کا پہلا صوباشی یعنی گورنر اور خضر بیگ کو پہلا قاضی مقرر کیا۔ خضر بیگ، سلطان فاتح کے دور کے ممتاز ترین علما میں سے تھے۔ وہ سوری حصار اور بروصہ کے مدرسوں میں معلمی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ فاتح کے دور کے کئی ممتاز علما مثلاً خواجہ زادہ علی اعرابی اور قطیلی وغیرہ ان کے شاگرد تھے۔ ان کا ۱۴۵۹ میں انتقال ہوا۔

استانبول کی بحالی کا کام سلیمان اور خضر بیگ کی ذمہ داری تھی۔ سلطان فاتح نے یدی قلہ

(YEDIKULE) میں ایک مضبوط قلعہ اور شہر کے وسط میں اس جگہ جہاں اب استانبول یونیورسٹی کا میدان ہے، اپنے لیے محل تعمیر کرلنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد سلطان نے وزیروں، امیرِ نل اور قاپی قولو (بادشاہ کی خدمت پر مامور فوجی عملہ) کے اجتماع میں اعلان کیا کہ اب آئندہ سے میرا پایۂ تخت استانبول ہوگا۔

محمد فاتح نے مسلسل احکام جاری کیے کہ لوگوں کو اناطولیہ اور رومیلیا سے لاکر استانبول میں آباد کیا جائے۔ دوکس (DOKAS) کی روایت کے مطابق سلطان نے سب سے پہلے پانچ ہزار خاندانوں کو منتقل کرنے کا حکم دیا۔ ایک اور اطلاع کے مطابق سلطان نے چار ہزار خاندانوں کو اناطولیہ اور چار ہزار خاندانوں کو رومیلیا سے جلاوطن کرکے استانبول میں آباد کیا۔ ان میں مسلمان، عیسائی اور یہودی سب ہوسکتے ہیں۔ اعلان کیا گیا کہ آباد کاروں کو خالی مکانات بغیر کسی معاوضہ کے دے دیئے جائیں گے۔

اس کاروائی کے بعد محمد فاتح ۱۲ر جون ۱۴۵۳ کو ادرنہ چلا گیا جہاں اس کا محل تھا۔

نومفتوحہ علاقوں سے آبادی کی منتقلی

اسی سال یعنی ۱۴۵۳ کے موسمِ خزاں میں محمد فاتح پھر استانبول واپس آیا۔ اس کی سب سے زیادہ توجہ شہر کی بحالی اور تعمیرِ نو کی طرف تھی۔ وہ باہر سے خوش حال لوگوں کو استانبول لانا چاہتا تھا، لیکن یہ لوگ اپنا گھربار چھوڑنے کے لیے آمادہ نہ تھے جس کی وجہ سے شہر کی بحالی کے کام میں تاخیر ہورہی تھی۔ ۶ر جنوری ۱۴۵۴ کو فاتح نے اسکولاریوس کو، جو لاطینیوں کا مخالف تھا، شہر کا پادری مقرر کیا۔ اس سے فاتح کا ایک مقصد یہ تھا کہ ان یونانیوں کو واپس بلایا جائے جو شہر سے چلے گئے تھے۔ اس دوران میں سلطان بروصہ گیا اور وہاں ۳۵ دن قیام کرکے سخت کاروائیاں کیں اور کئی گورنر بدلے اور حکم جاری کیا کہ دولت منداور غریب لوگوں میں سے ایک تعداد کا انتخاب کرکے ان کو زبردستی استانبول بھیجا جائے۔ چنانچہ ۱۴۵۴ اور ۱۴۵۵ میں کافی تعداد میں لوگوں کو استانبول بھیجا گیا اور وہاں آباد کیا گیا۔

محمد فاتح نے نومفتوحہ شہروں سے بھی بعض دولت مند افراد، تاجروں اور دست کاروں کو جلاوطن کرکے استانبول بھیجا۔ جنگی قیدیوں کو کاشتکاری کے لیے گردونواح کے دیہات میں

آباد کیا تاکہ وہ لوگ شہر کے لیے خوراک فراہم کر سکیں۔ یہ لوگ خاص قل یعنی بادشاہ کی رعایا کہلاتے تھے۔

استانبول کے نواح میں یہ پہلی آبادکاری ۱۴۵۴ میں سربیا کی مہم کے بعد کی گئی۔ اس سال موسم گرما کے اختتام پر سربیا کے چار ہزار جنگی قیدیوں کے خاندان استانبول کے نواحی دیہات میں آباد کیے گئے۔ ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۸ اور ۱۴۵۹ میں بھی سربیا کی مہموں کے بعد کافی تعداد میں قیدی استانبول لاکر آباد کیے گئے۔ اسی طرح ۱۴۵۸ اور ۱۴۶۰ کی موریا کی مہموں میں جو لوگ قید کیے گئے اور جزائر زنتا CEPHALONIAL ZENTA اور SANTA HAVRA کی مہموں میں جو لوگ قید کیے گئے ان کو بھی استانبول کے نواح میں آباد کیا گیا۔ یہ خاص غلام اپنی نصف پیداوار شاہی محل کو دیتے تھے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ان غلاموں پر مشتمل دیہات کی تعداد تقریباً ایک سو تھی۔ شہر کے اندر جو عیسائی آباد کیے گئے ان کا تعلق حسب ذیل مقامات سے تھا۔ (ہر مقام کے آگے آبادی کا سال درج کیا گیا ہے)

قدیم اور جدید فوقیہ (PHOCEA) ۱۴۶۰۔ ارگوس ۱۴۶۳، اماسرا ۱۴۵۹، ترابزون، ۱۴۶۰، موریا ۱۴۵۸، جزائر تاسوس و ساموتھراکہ ۶۰-۱۴۵۹، جزیرۂ لیسبوس ۱۴۶۲، جزیرۂ ایوبیہ (EUBUEA) ۱۴۷۳ اور کافہ اور منگوپ ۱۴۷۵۔

اناطولیہ کی مہموں کے دوران بھی مسلمان اور عیسائی آبادی سے منتخب لوگ استانبول بھیجے گئے۔ خاص طور پر ۱۴۶۸ اور ۱۴۷۱ میں قونیہ، لارندہ، آق سرائے اور اریغلی (EREGLI) سے مسلمانوں اور عیسائیوں کی کافی تعداد استانبول منتقل کی گئی۔ ترک مورخ عاشق پاشا اور نشری نے تصریح کی ہے کہ آق سرائے کے یہ لوگ ۱۴۷۰ میں استانبول منتقل کیے گئے تھے، جہاں ان کا محلہ آق سرائے کہلاتا تھا۔ اس طرح سے جو لوگ استانبول لائے جاتے تھے ان کو الگ الگ محلوں میں یک جا آباد کر دیا جاتا تھا اور محلہ کا نام اس شہر کے نام پر رکھ دیا جاتا تھا جس سے ان لوگوں کا تعلق ہوتا تھا۔ تاجروں، کاریگروں اور دستکاروں کو آباد کرنے کے لیے کافہ (کریمیا) سے تمام اطالوی خاندان (جو تجارت پیشہ تھے) استانبول منتقل کر دیے گئے اور ان کا محلہ کافیلی کہلاتا تھا۔ ان لوگوں نے استانبول میں جلد ہی شاندار مکانات اور کلیسا تعمیر کر لیے۔

رفاہی عمارتوں اور تجارتی مرکزوں کی تعمیر

١٤٥٥ میں جب محمد فاتح سربیا کی مہم سے واپس آیا تو اس نے مسرت سے دیکھا کہ یدی قلہ مکمل ہوگیا ہے اور فصیل کی مرمت ہو رہی ہے۔ اس نے مزید تعمیرات کے لیے احکام جاری کیے۔ کوچک چکمیچہ اور بیوک چکمیچہ (CEKMECE) کے پلوں اور شہر آنے والی دوسری سڑکوں کی مرمت کرنے اور کمزور حصوں پر فرش لگانے کے احکامات جاری کیے۔

اس سال موسم سرما میں شہر کی تعلیم کے سلسلے میں اہم فیصلے کیے گئے۔ نئے محل کے پاس ایک وسیع بازار کی تعمیر کا حکم جاری کیا گیا۔ جو بعد میں کپالی چارشی (مسقف بازار) کے نام سے مشہور ہوا۔ فاتح کے زمانہ میں اس کو بیوک بدستان کہا جاتا تھا۔ بدستان اس عمارت کو کہا جاتا تھا جو قیمتی اشیا مثلاً کپڑوں، سمور اور جواہرات کی خرید و فروخت کا مرکز ہو اور جہاں تاجر خرید و فروخت کے لیے ایک دوسرے سے ملتے ہوں۔ بیوک بدستان کی عمارت ١٤٦٤ء میں مکمل ہوئی۔ یہ بدستان ایک سو اٹھائیس ایسی دوکانوں پر مشتمل تھا جن کے ساتھ گودام بھی تھے۔ ان کے علاوہ آٹھ سو چورانوے دکانیں اور بھی تھیں جو مختلف تاجروں اور صناعوں سے متعلق تھیں۔ بعد میں اس میں مزید اضافے ہوتے اور آج یہ جگہ استانبول کے اہم ترین تجارتی مرکزوں میں سے ہے۔ فاتح کی ہدایت پر ان دکانوں کے کرایہ سے بازار کی مرمت اور دیکھ بھال کے علاوہ جامع ایا صوفیا کے اخراجات بھی پورے کیے جاتے تھے۔

اسی سال فاتح نے بدستان کے علاوہ عوام کے لیے کئی حمام بنانے کے احکام بھی جاری کیے۔ شہر کو وافر مقدار میں پانی فراہم کرنے کے لیے پرانی نہروں اور مسقف نالیوں کی مرمت کرائی گئی۔ مسقف نہر کے ایک مقام پر جو موجودہ محلہ فاتح کے پاس ہے۔ فاتح نے ایک فوارہ بھی تعمیر کرایا جو پچاس نلکوں پر مشتمل تھا۔

١٤٦٠ میں رومیلیا اور اناطولیہ میں احکام بھیجے گئے کہ استانبول کے پرانے باشندے واپس آجائیں۔ یونانی علماء اور صناعوں کی ایک بڑی تعداد استانبول چھوڑ کر ادرنہ، فلیبی، گیلی پولی، بروصہ اور دوسرے عثمانی شہروں میں آباد ہوگئی تھی۔ نئے احکام میں ان سب کو استانبول واپس آنے کی ہدایت کی گئی۔ استانبول میں واپس آنے والوں کو گھر دیے گئے یا گھر بنانے کے

لیے زمینیں دی گئیں۔ اس سال ینی فوجہ (نیا فوجہ) اور اسکی فوجہ (پرانا فوجہ) کے لوگوں کو جو تجارت پیشہ تھے، استانبول آنے پر مجبور کیا گیا۔

۱۴۵۴ میں ایک یہودی اسحاق سفراتی (ISAAC SAFRATI) نے جرمنی اور ہنگری کے یہودیوں کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں ان سے کہا گیا کہ وہ عثمانی مملکت میں آجائیں جہاں حالات بہت سازگار ہیں۔ چنانچہ جرمنی اور اٹلی سے یہودیوں کی ایک تعداد نقل مکانی کرکے استانبول آ گئی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۱۴۷۸ء میں استانبول میں یہودی خاندانوں کی تعداد ایک ہزار چھ سو سینتالیس (۱۶۴۷) تھی۔

ینی سرائے

سلطان مسجدوں اور محلوں کی تعمیر میں ذاتی دلچسپی لیتا تھا اور ان کی تعمیر کی نگرانی کرتا تھا۔ ۱۴۶۴ء میں ینی سرائے (نیا محل) مکمل ہوا۔ یہ ایک وسیع قطعہ اراضی پر پھیلا ہوا تھا جو شاخِ زرین اور بحیرۂ مارمورا کے درمیان واقع ہے اور جہاں زیتون کے درختوں کی کثرت تھی۔ بعد میں یہ جگہ سرائے بورنو کہلائی۔ مورخین نے اس محل کی تصویر کشی کرتے ہوئے ان خوبصورت باغوں اور فواروں کا ذکر بھی کیا ہے جو محل کے گرد ڈھلانوں پر سمندر تک پھیلے ہوتے تھے۔

یہ ینی سرائے جو بعد میں توپ قاپو کے نام سے مشہور ہوئی، چار سو سال تک عثمانی سلاطین کی رہائش گاہ رہی۔ آج کل اس میں عجائب گھر قائم ہے جس کا شمار دنیا کے بہترین عجائب گھروں میں ہوتا ہے۔ فاتح کے زمانے میں ۱۴۷۳ میں یہاں باغ میں ایک چینی کوشک تعمیر کی گئی، اور ۱۴۷۸ء میں محل کے علاقے کے ارد گرد فصیلیں تعمیر کی گئیں۔

۱۴۵۹ء میں سلطان محمد فاتح نے اس جگہ جہاں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی قبر تھی، ایک مدرسہ اور ایک محتاج خانہ تعمیر کرایا۔ اس جگہ بروصہ کے مہاجر آباد کیے گئے۔

یہ خیال کہ عثمانی حکمرانوں میں پبلک سروس کا کوئی تصور نہیں تھا صحیح نہیں ہے۔ اگلے صفحات میں ہم یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ ریاست کی بڑی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی سمجھی جاتی تھی کہ وہ رعایا کو خوشحال زندگی گزارنے میں مدد دے۔ پبلک سروس کے بہت

سے کام جیسے سڑکوں، مدرسوں اور شفا خانوں کی تعمیر ہے اور جو آج کل مقامی حکومتوں یا بلدیاتی اداروں کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے، اس زمانے میں محکمۂ اوقاف کے ذریعے انجام دیے جاتے تھے۔ عثمانی سلطنت ایک ایسی مسلم مملکت تھی جس نے اس محکمہ کے ذریعے زیادہ سے زیادہ تعمیرِ عامہ کا کام انجام دیا۔ اس نے نہ صرف رفاہی ادارے پہلی مرتبہ کثیر تعداد میں تعمیر کرائے بلکہ ان پر سختی سے سرکاری نگرانی کا نظام بھی قائم کیا تاکہ وہ لوگوں کی ضروریات زیادہ بہتر طور پر پوری کر سکیں اور ریاست کے مقصد کی تکمیل کریں۔

۱۵۲۸ء میں عثمانی مملکت کو جو آمدنی ہوتی تھی اس کا بارہ فی صد حصہ محکمۂ اوقاف کی طرف سے قائم کردہ عمارتوں اور اداروں پر صرف ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر اناطولیہ کے اوقاف کی آمدنی ایک کروڑ ۳۵ لاکھ آقچے تھی۔ یہ آمدنی ۴۵ محتاج خانوں، ۳۴۲ بڑی مسجدوں، ۱۰۵۵ چھوٹی مسجدوں، ایک سو دس مدرسوں، ۶۲۶ بڑے اور چھوٹے زاویوں (خانقاہوں)، ۱۵۴ مکتبوں، ۷۵ کارواں سرایوں اور ۲۳۸ حماموں کی دیکھ بھال پر صرف ہوتی تھی۔

رفاہی مرکزوں کی تعمیر

اس خیال کے پیشِ نظر کہ استانبول کی تعمیرِ جدید اور آرائش و زیبائش حکومت کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ہے، محمد فاتح نے ۱۴۵۹ء میں ممتاز عمائدین کی ایک کانفرنس طلب کی اور ان سے شہر کے مختلف حصوں میں رفاہی مراکز قائم کرنے کے لیے کہا۔ بادشاہ نے اس موقع پر خود بھی نیا محل اور جامع مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ یہ مسجد ۱۴۶۳ء میں تعمیر ہونا شروع ہوئی۔ امرا میں سب سے پہلے وزیر اعظم محمود پاشا نے اور اس کے بعد دوسرے وزیروں اور امرا نے شہر کے مختلف حصوں میں مسجدیں، مدرسے، محتاج گھر اور حمام تعمیر کرائے۔ ان سب کے ساتھ تجارتی عمارتیں اور دکانیں بھی تعمیر کی گئیں تاکہ ان کی آمدنی سے اوقاف کے اخراجات پورے ہو سکیں۔

یہ ادارے روز افزوں ترقی پذیر استانبول کے لیے تعمیری مرکز بن گئے۔ ان کے چاروں طرف لوگوں نے رہائش اختیار کر لی اور اس طرح تعمیر و آبادکاری کے کام کی رفتار بڑھ گئی۔ استانبول کے کئی محلے آج بھی محمد فاتح کے عہد کے ممتاز افراد کے نام پر موسوم ہیں۔ مثال کے طور پر محمود پاشا، گدک احمد پاشا، مراد پاشا اور داؤد پاشا وغیرہ۔

استانبول میں اس طریقہ پر عمل کرنے سے پہلے ہی اس پر بروصہ اور ادرنہ میں عمل کیا جا چکا تھا۔ ان دونوں شہروں میں بھی توسیع و تعمیر ان عمارتوں کے گرد ہوئی تھی جو سرکاری حکام اور دولت مند افراد نے تعمیر کرائی تھیں اور رفاہِ عامہ کے لیے وقف کر دی تھیں۔ مثال کے طور پر دوسرے عثمانی حکمران غازی اورخان نے بروصہ کے قلعے کے دامن میں ایک مسجد، ایک محتاج خانہ اور ایک بدستان تعمیر کیا تھا۔ بعد میں اس مرکز کے گرد نئے اور وسیع تر بدستان وجود میں آ گئے۔ شہر کا یہ علاقہ آج بھی بروصہ کا سب سے اہم تجارتی مرکز ہے۔ یہی طریقہ استانبول کی تعمیر کے سلسلے میں اپنایا گیا۔ مثال کے طور پر جامع فاتح کے کلیہ کو لیجیے۔ یہ حسب ذیل عمارتوں پر مشتمل تھا:

۱ - مدرسہ سمانیہ، جہاں اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ ۳ - دارالشفاء
۲ - دارالتعلیم، جہاں ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی۔ ۴ - دارالاقامہ

مسجد سلطان محمد فاتح کی تعمیر ۱۴۶۳ء میں شروع ہوئی تھی اور ۱۴۷۰ء مکمل ہوئی۔ سلطان محمد فاتح اس سے پہلے شیخ وفازادہ کی مسجد اور رومیلی حصار کی مسجد تعمیر کروا چکا تھا۔

استانبول کی نو مسجدوں (جامع ایا صوفیا اس تعداد میں شامل ہے) کی مستقل دیکھ بھال اور مرمت کے واسطے سلطان محمد فاتح نے ۳۵ گاؤں کی آمدنی بھی ان کے لیے وقف کر دی تھی۔ بیوق بدستان، سلطان بزاری، بیلیک بزاری، محمود پاشا بزاری، سَرخیلر چارسی اور کئی دوسرے بڑے اور چھوٹے بازار۔ ۴ کاروانسرائیں، ۱۴ حماموں، ۵۴ کارخانوں اور سینکڑوں دوسری دکانوں اور عمارتوں کا شمار جو شہر میں منتشر تھیں، ان کے علاوہ ہے۔

فاتح کے کلیہ (COMPLEX) کا ایک حصہ دارالشفا پر مشتمل تھا۔ اس شفاخانہ میں دو سند یافتہ اور تجربہ کار حکیم ملازم تھے۔ ایک ماہر کحال، ایک جراح اور ایک عطار ان کے علاوہ تھے۔ ادویات کا گودام صرف حکیم اور محافظ گودام کے سامنے کھولا جا سکتا تھا اور یہ ادویات صرف شفاخانہ کے مریضوں کے استعمال میں آ سکتی تھیں۔ شفاخانہ کا انتظام ایک امین اور اس کے نائب کے سپرد تھا۔ دو باورچی تھے جو مریضوں کے لیے کھانا تیار کرتے تھے۔ یہ کھانا اطبا کی ہدایت کے مطابق اور ان کی نگرانی میں تیار کیا جاتا تھا۔ شفاخانہ کے چوکیدار کو ہدایت تھی کہ وہ

ہر شخص کو مریضوں سے نہ ملنے دئے ۔ وقف نامہ میں ہدایت کی گئی تھی کہ مریضوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آیا جائے ۔ عملہ کی تنخواہیں اور اخراجات اوقاف سے ادا کیے جاتے تھے۔ شفا خانے میں صرف وہ مسلمان مریض داخل ہو سکتے تھے جو غربت کی وجہ سے علاج کے اخراجات کے متحمل نہ ہو سکتے تھے ۔

تعلیمی ادارے

محمد فاتح نے شہر کی آٹھ مسجدوں کے ساتھ اعلیٰ تعلیم کے آٹھ مدرسے قائم کرنے کے احکام جاری کیے تھے ۔ ان میں سب سے اہم مدرسہ ایا صوفیا کا تھا ۔ جب فاتح نے جامع ایوب تعمیر کی تو وہاں بھی ۱۴۵۸ء میں ایک کالج قائم کیا ۔ لیکن سب سے بڑے تعلیمی ادارے جامع فاتح کے گرد تعمیر کرائے گئے جو مدارس سمانیہ کہلاتے تھے ۔ یہ ابتدائی مدرسہ دار التعلیم، مدرسۂ فوقانیہ اور آٹھ کالجوں پر مشتمل تھے ۔ ان میں تمام دینی علوم پڑھائے جاتے تھے ۔ کالج کے علاوہ ایک عمارت کتب خانہ کی بھی تھی جس کے لیے سلطان نے خود کتابیں فراہم کیں ۔ مدرسوں میں صرف دینی علوم نہیں بلکہ طبیعی علوم، علم ہیئت اور ریاضی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی ۔ ہر باصلاحیت مسلمان کو ان میں داخلہ مل سکتا تھا اور طلبہ کے تمام اخراجات وقف سے پورے کیے جاتے تھے۔

تعلیمی اداروں کا انتظام ایک خود مختار خصوصی مجلس کے سپرد تھا جو آمد و خرچ کا حساب رکھتی تھی اور اس بات کی نگرانی کرتی تھی کہ تنخواہوں کی ادائیگی عمارتوں کی مرمت اور دوسرے متعلقہ کام بخوبی انجام دیے جا رہے ہیں یا نہیں ۔ اس مجلس کے جو لوگ ملازم کی حیثیت سے کام کرتے تھے ان کو بھی وقف سے معاوضہ ملتا تھا ۔ اس کے علاوہ اساتذہ اور تمام ممتاز ملازمین کا ہر سال اجتماع ہوتا تھا جس میں جائزہ لیا جاتا تھا کہ کام وقف نامہ کی ہدایت کے مطابق ہو رہا ہے یا نہیں ۔ خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف کارروائی کی جاتی تھی۔ تنبیہ کرنے کے علاوہ برخاست بھی کیے جا سکتے تھے ۔ گویا ان تعلیمی اداروں پر مشتمل کلیہ انتظامی اور مالی اعتبار سے خود مختار تھا اور ہر قسم کی بیرونی مداخلت سے محفوظ ۔ اوقاف کی جانچ پڑتال خود بادشاہ کرتا تھا ۔

ان تعلیمی اور رفاہی اداروں نے شہر کی اقتصادی زندگی میں جو کردار ادا کیا، وہ بھی اہم ہے ۔

ان کے اخراجات کے لیے چاروں طرف جو کارواں سرائے اور دکانیں تعمیر کی گئی تھیں وہ اہم تجارتی مرکز بن گئے ۔ فاتح نے جامع کے گرد ایک بڑی مارکیٹ بنوائی تھی جو ۲۸۶ دکانوں پر مشتمل تھی ۔ بعد میں اس کا نام بازار سلطانی ہو گیا۔

استانبول کی فتح سے پہلے ہم عصر مصنفوں نے ایا صوفیا کی شکستہ حالی کا ذکر کیا ہے۔ فاتح نے سب سے پہلے ایا صوفیا کی مرمت کرائی اور اس مقصد کے لیے کثیر رقم مخصوص کی ۔ ایا صوفیا کے اخراجات کے لیے صرف استانبول، غلطہ اور اسکودار میں دو ہزار تین سو پچاس دوکانیں چار کارواں سرائے، اکیاون حمام، نو سو ستاسی مکانات، بائیس آش خانے (ایک قسم کے ریستوران) وقف کیے گئے تھے ۔ ان سے کل سات لاکھ اٹھارہ ہزار چار سو اکیس آقچے (وینس کے تیرہ ہزار دوکات) آمدنی ہوتی تھی ۔ یہ معلومات ایا صوفیا کے وقف کے کاغذات بابت ۱۴۹۰ء سے حاصل کی گئی ہیں۔

بادشاہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے وزیروں اور امرا نے بھی شہر کے مختلف محلوں میں بکثرت اوقاف قائم کیے اور یہ نئے تجارتی اور رہائشی مرکزوں کی تشکیل کا باعث ہوتے اور اس طرح شہر کی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہوا ۔ یہ عام طور پر محمود پاشا کے اوقاف کے نمونوں پر تھے ۔ یہ وقف ایک مدرسہ، اور ایک محتاج خانہ پر مشتمل تھا ۔ ان کے اخراجات کے لیے کارواں سرائے اور دوکانیں تعمیر کی گئی تھیں ۔ محمود پاشا بازار دو سو ساٹھ دوکانوں پر مشتمل تھا اور یہ شہر کے اہم ترین تجارتی مرکزوں میں سے تھا ۔ محمود پاشا کا کلیہ ۱۴۶۲ء میں مکمل ہوا تھا۔

آبادی

اس طرح استانبول محمد فاتح کے زمانے میں محلسراؤں، دارالاقاموں، کارواں سراؤں، بازاروں حماموں اور مدرسوں سے بھر گیا اور ترکوں کے ایک خوشحال شہر میں تبدیل ہو گیا ۔ قاضی محی الدین نے ۱۴۷۸ء میں جو مردم شماری (توپ قاپی کے آثار D9524) کی تھی اس کے مطابق شہر کی آبادی یہ تھی:

استانبول	غلطہ[1]
(تعداد خاندان)	تعداد خاندان

[1] غلطہ فصیلِ شہر کے باہر اور شاخِ زرین کے دوسری طرف واقع استانبول ہی کا ایک محلہ ہے

مسلمان	۸۹۵۱	۵۳۵
عیسائی (آرتھوڈوکس)	۳۱۵۱	۵۹۲
یہودی	۱۶۴۷	—
کافہ کے باشندے	۲۶۷	—
قرہ مان اہلے	۳۸۴	—
ارمنی	۳۷۲	۶۲
فرانسیسی	—	۳۳۲
جپسی	۱۳۱	—
	۱۴۹۰۳	۱۵۲۱

اس مردم شماری کے مطابق ۱۴۷۸ء میں استانبول میں ۳۶۶۷ دوکانیں اور غلطہ میں دو سو ساٹھ دوکانیں تھیں۔

اے۔ ایم شنائیڈر (SCHNEIDER) نے ان اعداد و شمار کا جزوی استعمال کرکے اندازہ لگایا ہے کہ استانبول کی آبادی محمد فاتح کے زمانہ میں ساٹھ اور ستر ہزار کے قریب تھی لیکن اس جگہ یہ بات قابلِ غور ہے کہ مردم شماری ٹیکس کی بنیاد پر کی گئی تھی اور فوجی لوگ جو ٹیکس سے بری ہوتے تھے عام طور پر اس قسم کی مردم شماری میں شامل نہیں کیے جاتے تھے۔ لہٰذا یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ استانبول کی آبادی ۱۴۷۸ء میں فتح کے قبل کی آبادی کی نسبت کئی گنی ہوگئی تھی اور اب شہر میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔

Ö.L. BARKAN کا اندازہ ہے کہ ۱۵۳۰ء میں استانبول کی آبادی چار اور پانچ لاکھ کے درمیان تھی اور F. BRAUDEL نے سولھویں صدی کے آخر میں آبادی کا اندازہ سات لاکھ کیا ہے۔ یہ مشکل ہے کہ شہر کی آبادی پچاس سال میں چار یا پانچ گنی ہوگئی ہو لیکن متعدد شواہد ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کی آبادی خصوصاً سلیمان اول (۱۵۲۰ تا ۱۵۶۶ء) کے دور میں بہت تیزی سے بڑھ رہی تھی اور عثمانی ترک اس میں کامیاب ہوگئے تھے کہ فتح کے ایک سو سال بعد استانبول کو ایک ایسا شہر بنادیں جو ہر لحاظ سے ان کی عالمی

سلطنت کے شایانِ شان ہو۔

ترکی زبان کے ہفت روزہ جریدہ "حیات کی" ترکی انسائیکلوپیڈیا کے مطابق ۱۷۰۰ء اور اس کے بعد مختلف زمانوں میں استانبول کی آبادی یہ تھی:

۱۷۰۰ء میں	..	..	..	پندرہ لاکھ
۱۷۵۰ء	..	..	..	"
۱۸۰۰	..	..	..	"
۱۸۲۵	..	..	..	تیرہ لاکھ
۱۹۰۰	..	..	..	بارہ لاکھ ۷۲ ہزار
۱۹۱۵	..	..	..	چودہ لاکھ چالیس ہزار
۱۹۲۷	..	..		چھ لاکھ ۹۱ ہزار

اس کے بعد استانبول کی آبادی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۹۶۵ کی مردم شماری کے مطابق شہر کی آبادی ½ ۱۷ لاکھ اور ۱۹۷۰ کی مردم شماری کے مطابق ½ ۲۲ لاکھ تھی۔ سولھویں صدی کے آغاز سے انیسویں صدی کے آغاز تک استانبول دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا۔ ۱۸۲۵ اور ۱۸۵۰ء میں لندن کے بعد دنیا کا دوسرا بڑا شہر تھا اور ۱۸۷۵ میں جبکہ اس کی آبادی بارہ لاکھ تھی۔ لندن، پیرس، نیویارک اور پیکنگ کے بعد دنیا کا پانچواں بڑا شہر تھا۔

۱۵۷۷ء میں قاضی زکریا آفندی نے مکان شماری کرائی تھی۔ اس کے مطابق استانبول میں ۴۸۵ جامع مساجد، ۴۹۴۴ چھوٹی مسجدیں، ۱۰۰ محتاج خانے، ۱۶۵۳ مکتب (ابتدائی) اور ۱۵۰ بڑی خانقاہیں، ۲۸۵ چھوٹی خانقاہیں، ۴۹۸ سبیل اور فوارے، ۷۱۴ کارواں سرائے، ۴۹۸۵ سڑکوں کے کنارے واقع چھوٹی سبیلیں اور فوارے، ۵۸۵ پن چکیاں، ۲۸۵ بڑے تنور، ۸۷۴ عام حمام، ۱۳ مسقف بازار، ۳۴۷ کلیسا، ۱۰۰ ۳۴۳ ۱۱۱ سڑکیں اور گلیاں تھیں۔ اگر ہر سڑک اور گلی میں اوسطاً ایک سَو افراد رہائش رکھتے ہوں تو سولھویں صدی کے آخر میں استانبول کی آبادی دس اور گیارہ لاکھ کے قریب تھی۔